شریعتِ اسلامیہ میں حقِ ملکیت کے سوءِ استعمال کا تصوّر

محی الدین ہاشمی*

اسلامی فکر جس بنیادی اعتقادی اساس پر استوار ہے وہ عقیدۂ توحید ہے۔اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان انسان میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرتا ہے جو اسے نہ صرف اپنے خالق کے سامنے جوابدہ بناتا ہے بلکہ خود اپنی ذات، دیگر بنی نوع انسان، حیوانات، ماحول اور جملہ کائنات کے حوالے سے ذمہ دار تصوّر کرتا ہے۔اسلام کے تصوّرِ کائنات (World View) کی رو سے کائنات کا خالق ورازق اللہ تعالیٰ ہے جو اس کا حقیقی حاکم اور مالک ہے جب کہ انسان دنیا میں اس کا خلیفہ و نائب ہے جو اللہ کے تفویض کردہ حقوق واختیارات کو استعمال کرنے میں ان آداب اور حدود وقیود کی رعایت کا پابند ہے جو مالکِ حقیقی نے اس سلسلے میں متعین کی ہیں۔چنانچہ انسان اپنی اشیاء کا (بشمول اپنی ذات کے) حقیقی مالک نہیں بلکہ بطورِ خلیفہ وہ امین یا مجازی معنوں میں مالک ہے (جیسا کہ فقہاء نے اسے سمجھا ہے۔) اور اسے اس امانت کے سوءِ تصرّف اور سوءِ استعمال کا حق حاصل نہیں ہے۔

فقہاء نے حقِ ملکیت کے سوءِ استعمال کے حوالے سے جو مباحث ذکر کیے ہیں وہ بالاجمال درج ذیل ہیں۔

اسراف اور بخل:

یہ تصوّر درست نہیں کہ مالک اپنے حقِ ملکیت کے تقاضوں اور اپنی مرضی سے ہر طرح کا تصرّف کرسکتا ہے۔مالک کو یہ اختیار اس صورت میں حاصل ہوسکتا تھا جب یہ خالص انفرادی حق ہوتا لیکن درحقیقت اس میں اللہ کا بھی حق موجود ہے۔ چنانچہ اس میں ایسا تصرّف جائز نہیں جو شرعی مقصد کے خلاف ہو، یا جس کی وجہ سے مال میں اللہ کا حق ضائع ہوتا ہو مثلاً مال کا اسراف اور اسے ضائع کرنا، کیوں کہ اس تصرّف میں نہ تو مالک کو کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی معاشرے کو جب کہ مال کی ملکیت کا حق مالکِ حقیقی نے بے فائدہ کاموں کے لیے نہیں دیا۔ایسا کرنا دراصل حق کا بے جا استعمال اور تعسّف ہے۔قرافی اس مفہوم کو ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے بندے پر پابندی عائد کی ہے کہ وہ اپنا مال سمندر میں پھینک دے یا کسی مصلحت کے بغیر اُسے ضائع کردے۔اگر بندہ اپنا مال ضائع کرنے پر راضی ہو تب بھی اس کی رضامندی کا اعتبار نہیں ہوگا کیوں کہ مال اللہ نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں فرد کا مددگار ہو جب کہ مال کو ضائع کرنا مال کا ناجائز استعمال ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔(۱)

اس بناء پر مالی تصرّف درست ہونے کے لیے تصرّف کرنے والے کی رضامندی کافی نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ تصرّف

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فکرِ اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

شریعت کے مطابق ہو۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

اسراف:

اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کے معاملے میں اعتدال، میانہ روی اور انتہا پسندی سے گریز کا حکم دیا ہے۔ اور اس بات کو اسراف کہا ہے کہ کوئی شخص خود خرچ کرتے کرتے اتنا فقیر ہو جائے کہ لوگوں سے مانگتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا﴾(۲)

''اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے۔''

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾(۳)

''اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو) کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ (اور) تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے۔''

مفسّرین اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم اپنے پاس موجود سارے کا سارا مال، باوجود اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضرورت کے، اللہ کی راہ میں خرچ نہ کردو ورنہ تم مال کو خرچ کرنے اور اس میں تصرّف کرنے سے محروم ہو جاؤ گے، جیسا کہ مریل اونٹ ہوتا ہے کہ اس میں کوئی طاقت باقی نہیں ہوتی اور وہ اٹھ بھی نہیں سکتا۔ شرعاً اہل و عیال کی کفالت واجب ہے جبکہ نفلی صدقہ محض باعثِ ثواب ہے اس لیے فرض کو نفل پر مقدّم کرنا جائز نہیں۔ جب انسان اپنا سارا مال خرچ کر لیتا ہے تو فقر کے فتنے سے محفوظ نہیں رہ سکتا، یوں اس کا مال بھی چلا جاتا ہے اور اجر و ثواب بھی باطل ہو جاتا ہے اور وہ لوگوں پر بوجھ بن جاتا ہے۔ البتہ وہ شخص جو تزکیۂ نفس کے بلند مرتبے پر فائز ہو، حسنِ توکل پر یقین رکھتا ہو اور اُسے فقر پر صبر کرنے اور سوال سے بچنے پر یقین ہو یا مستقلاً کسی پیشے (یا ملازمت) سے وابستہ ہو تو وہ بوقتِ ضرورت اپنا سارا مال صدقہ کر سکتا ہے اور یہ بات اس کے حق میں اسراف شمار نہیں ہوگی۔ (۴) چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اپنا سارا مال خرچ کر کے آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا:

''يَا أَبَا بَكْرٍ مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ قَالَ أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ''(۵)

''اے ابوبکر: آپ اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی چھوڑ آیا ہوں۔''

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کا یہ عمل اسراف کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ یہ ان کے قوی یقین اور کمالِ ایمان پر دال ہے، نیز آپ پیشے کے اعتبار سے تاجر تھے۔(٦)

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جیسے شر کے معاملات میں اسراف ممنوع ہے، ایسے ہی خیر کے معاملات میں بھی اسراف ممنوع ہے جیسے کوئی شخص اپنا سارا مال صدقہ کردے۔ انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے :

﴿وَآتُواْ حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلاَ تُسْرِفُواْ﴾(٧)

''اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو تو خدا کا حق بھی اس میں سے ادا کرو اور بے جا نہ اڑاؤ۔''

یعنی اپنا تمام تر مال نہ دے دو کہ خود فقیر بن جاؤ۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ثابت بن قیسؓ نے پانچ سو کھجور کے درختوں کا پھل صدقہ کردیا اور اپنے گھر والوں کے لیے کچھ نہ چھوڑا جس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔(٨)

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں وضو میں اعضاء کا تین دفعہ دھونا مسنون ہے۔(٩) ابن قدامہ کے نزدیک ایک یا دو دفعہ دھونا کافی ہے تاہم تین مرتبہ افضل ہے(١٠) امام مالکؒ کے مشہور قول کی رو سے دوسری اور تیسری مرتبہ کا دھونا فضیلت ہے۔(١١) اسی وجہ سے اعضاء کے تین مرتبہ دھونے کو اسراف نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ سنّت یا مندوب ہے۔ البتہ تین دفعہ سے زیادہ اعضاء کا دھونا جمہور حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں مکروہ ہے۔ فقہاء نے پانی کے اسراف پر اس حدیثِ مبارکہ سے استدلال کیا ہے:

''أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هَذَا السَّرَفُ فَقَالَ أَفِي الْوُضُوءِ إِسْرَافٌ قَالَ نَعَمْ وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهَرٍ جَارٍ''(١٢)

''نبی ﷺ حضرت سعدؓ کے پاس سے گزرے جب وہ وضو کر رہے تھے تو فرمایا کہ یہ اسراف کیسا؟ انھوں نے پوچھا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں !اگرچہ تم جاری نہر پر ہی وضو کرو۔''

عبادات میں مبالغہ اور اسراف کی ممانعت کے حوالے سے جصّاص فرماتے ہیں:

عبادات کے کرنے کا حکم دیتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اس میں مشقت اور سختی نہ ہو، اسی وجہ سے مسافر، حاملہ، بچے کو دودھ پلانے والی عورت اور ہر اُس شخص کے لیے جس کے روزہ رکھنے سے اس کی جان کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو روزہ نہ رکھنا لازم ہے کیوں کہ اس میں تنگی اور سختی ہے، جس کی اللہ نے نفی کی ہے۔ لہٰذا عبادات میں بھی اسراف اور مبالغہ جائز نہیں۔(١٣)

اس بات کی تائید نبی اکرم ﷺ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ''هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ ''(١٤) (مبالغہ کرنے والے لوگ ہلاک ہوئے۔)

درج ذیل حدیثِ نبوی سے عبادات میں مبالغہ اور اسراف کی ممانعت زیادہ وضاحت سے ہوتی ہے:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین لوگ ازواجِ مطہرات کے پاس آئے اور ان سے نبی ﷺ کی عبادت کے معمولات سے متعلق پوچھا۔ جب انھیں اس سے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اسے اپنے اندازے کی نسبت تھوڑا جانا۔ وہ کہنے لگے کہ کہاں ہم اور کہاں نبی ﷺ، ان کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں (اگر کچھ ہوں) اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی ہیں۔ ان میں سے ایک کہنے لگا، میں تو ہمیشہ رات کو نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا، میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کسی دن بھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔ تیسرا کہنے لگا میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ نبی اکرم ﷺ کو جب اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا کیا تم ہی نے یہ سب کچھ کہا ہے؟ اللہ کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ کا خوف وتقویٰ رکھتا ہوں، لیکن میں (کبھی) روزہ رکھتا ہوں اور (کبھی) نہیں بھی رکھتا نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنّت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (۱۵)

مذکورہ روایت سے متعلق شوکانی کہتے ہیں :

> ''اس حدیث میں دلیل ہے کہ عبادات میں میانہ روی ہو کیوں کہ اپنے آپ کو تھکانا اور اپنے آپ پر سختی کرنے کا عمل بالآخر ترکِ فعل تک منتج ہوتا ہے، حالانکہ دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرتا ہے، اس پر سختی غالب آجاتی ہے جب کہ شریعت کی بنیاد آسانی اور عدمِ تنفیر پر قائم ہے۔'' (۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں : نبی اکرم ﷺ نے میرے حجرے میں آکر مجھ سے سوال کیا کہ کیا مجھے صحیح خبر ملی ہے کہ تم رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں ! تو آپ ؟ نے فرمایا ہرگز ایسا نہ کرو۔ نیند بھی کرو اور قیام اللیل بھی کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ تمہاری آنکھوں، تمہارے جسم، تمہاری بیوی، تمہارے دوست اور تمہارے مہمان کا تمہارے اوپر حق ہے۔ تمہارے لیے مہینے میں تین دن روزہ رکھنا کافی ہے۔ (۱۷)

اسراف کا تعین کسی علاقے کی اقتصادی صورتِ حال سے ہوتا ہے، اس کا کوئی متعین پیمانہ یا کوئی لگا بندھا ضابطہ نہیں۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔

اس حوالے سے دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسرافِ ممنوع کا تعلق ان امور کے ساتھ خاص ہے جن میں شارع کی نافرمانی ہو۔

مجاہد سے منقول ہے کہ اگر جبلِ ابوقبیس کسی شخص کے لیے سونے کا بن جائے اور وہ اسے اللہ کی طاعت وفرمانبرداری میں خرچ کرے تو اس کے اس عمل پر اسراف کا اطلاق نہیں ہوگا اور اگر اس نے ایک درہم یا ایک مُد (۱۸) اللہ کی نافرمانی کے کسی کام میں خرچ کیا تو وہ اسراف کا مرتکب ہوگا۔ (۱۹)

مال میں اسراف کرنے والے کو فقہاء نے سفیہہ (بیوقوف) کہا ہے کیوں کہ وہ مال میں اسراف کرتے ہوئے اس

کو خلافِ شرع اور خلافِ عقل امور میں ضائع کرتے ہوئے اسراف کا مرتکب ہوتا ہے۔

جمہور فقہاءِ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اور صاحبین کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق مکلّف کو بیوقوفی اور اسراف کی وجہ سے تصرّفِ مال سے روکا جائے گا، جب کہ امام ابوحنیفہؒ اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے وقوفی یا فضول خرچی کی وجہ سے مالک کو اپنے مال میں تصرّف سے نہیں روکا جا سکتا۔(۲۰)

بخل:

اسلام میں اپنی اور اپنے متعلقین کی مستقبل کی ضروریات کے لیے مال و دولت جمع کرنے کی ممانعت نہیں ہے تاہم یہ اجازت حدِّ اعتدال کے التزام کے ساتھ مشروط ہے۔ یہ امر اسلام کی روح کے منافی ہے کہ مال و دولت کو خزانوں کی شکل میں جمع کر کے رکھ دیا جائے جس سے دولت کی گردش کا عمل رک جائے، بلکہ اسلام کی منشا یہ ہے کہ دولت کی گردش جاری و ساری رہے۔ قرآن مجید میں مال و دولت جمع کرنے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾(۲۱)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔''

صرفِ دولت کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے مناسب حد تک خرچ کیا جائے۔ خرچ کے مناسب مواقع میں جس طرح ذاتی اور زیرِ کفالت افراد کی ضروریات شامل ہیں وہاں انفاق فی سبیل اللہ، حاجت مندوں کی حاجت روائی اور اجتماعی فلاح و بہبود کے کاموں پر مال و دولت صرف کرنا بھی شامل ہے۔ مال و دولت کی موجودگی میں ان مواقع پر خرچ نہ کرنا یا موقع اور حیثیت کے تقاضے سے کم خرچ کرنے کا نام بخل ہے، جس کو اسلام سخت ناپسند کرتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾(۲۲)

''اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فضل کے معاملہ میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ یہ ان کے لیے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لیے بہت بُرا ہے جس مال میں انہوں نے بخل کیا ہے اس کا طوق قیامت کے روز ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔''

قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾(۲۳)

''اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے باندھ رکھ (کہ کچھ خرچ نہ کرے) اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہ جائے۔''

بخل انسان میں بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے جس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ بخل انسان میں تنگ ظرفی، کمینگی، لالچ اور حرص جیسے قبائح پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ حسنِ عمل اور کریمانہ رویوں کا استیصال کرتا ہے۔ بخل جہاں انسان کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی حرص میں گرفتار کرلیتا ہے وہاں اسے خرچ کرنے سے بھی باز رکھتا ہے اور اس طرح انسانی سیرت وکردار کے حسن کو ماند کردیتا ہے۔ قرانِ حکیم کی رو سے جو آدمی بخل اور کنجوسی سے اپنے دامن کو محفوظ و مامون کرلیتا ہے وہ سرخرو اور کامیاب ہوجاتا ہے۔

﴿وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (۲۴)

''جو لوگ اپنے نفس کی تنگی سے بچالیے گئے وہی فلاح وکامرانی پانے والے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی آئے جن کا لباس بہت بوسیدہ اور جسم پر فقر وفاقہ کے آثار نمایاں تھے۔ رسول اللہ ﷺ دیکھ کر یہ سمجھے کہ شاید اس آدمی کے پاس وسائل کی کمی ہے۔ پوچھا کون ہو؟ کیا کرتے ہو؟، جواب سے معلوم ہوا کہ آدمی خاصا مالدار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''إِذَا آتَاكَ اللَّهُ مَالًا فَلْيُرَ عَلَيْكَ أَثَرُ نِعْمَتِهِ وَكَرَامَتِهِ'' (۲۵)

''جب اللہ تعالیٰ تجھے مال دے تو تم پر اس کی نعمت اور فضل کا اثر نظر آنا چاہیے۔''

اس ارشادِ نبوی سے معلوم ہوا کہ باوجود کشائش کے مفلوک الحالی کا لبادہ اوڑھ لینا اسراف سے بچنے کا تقاضا نہیں بلکہ یہ بخل کے زمرے میں آتا ہے جو کہ نصوصِ شرعیہ کے برخلاف ہے۔

گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری:

شریعتِ اسلامیہ کی رو سے اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنا اصولاً تاجروں کی صوابدید پر منحصر ہے اور اولی الامر (۲۶) کو اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنے میں مداخلت سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ گرانی کا سبب اگر قدرتی عوامل ہوں تو اس صورت میں قانونی وسائل کے ذریعے اشیاء کی قیمتوں کو نیچے لانا اور تاجروں کو سستے داموں مال فروخت کرنے پر مجبور کرنا ظلم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ میں جب قحط پڑا تو صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ سے ارزاں نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی تو آپ نے انکار فرماتے ہوئے اسے ظلم سے تعبیر کیا۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

''عَنْ أَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى رَبِّي

وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلِمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ"(۲۷)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ نرخ گراں ہو گئے آپ ہمارے لیے نرخ مقرر کر دیجیے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے، وہی تنگی اور فراخی پیدا کرنے والا اور رزق عطا کرنے والا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے کسی ظلم کا بدلہ طلب کرنے والا نہ ہو جو جان یا مال کے سلسلہ میں کیا گیا ہو۔''

مذکورہ روایت سے اس گرانی کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلّہ باہر سے ہی گراں نرخ پر آ رہا تھا اور ایسی صورتِ حال میں مقامی تاجروں کو کمتر نرخ کا پابند بنانا صریحاً ظلم تھا اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ ایسی صورت میں تسعیر کی بجائے اشیاء کی رسد کو درست کرنے کی کوشش زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸ھ میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں جب قحط کے آثار نمایاں ہوئے اور قیمتیں چڑھنے لگیں تو آپ نے غذائی اشیاء کی رسد بحال کرنے کے لیے مصر اور شام سے غلہ، آٹا اور تیل وغیرہ اونٹوں پر منگوائے اس طرح قیمتیں اپنی اصلی سطح پر آ گئیں۔ (۲۸)

مستقل طور سے بھاؤ مقرر کر دینا گرانی کو روکنے کا غیر فطری طریقہ ہے، لیکن اگر گرانی خود غیر فطری طریقے سے بڑھتی جائے اور لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے تو حاکمِ وقت ایسا کرنے کا مجاز ہے۔ (۲۹) بعض شدید حالات میں حاکم کی مداخلت واجب ہو جاتی ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ گرانی تاجروں کی خود غرضی اور لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ہے تو پھر بھاؤ مقرر کر کے تاجروں کو پابند کیا جائے گا کہ وہ اس قیمت پر اپنا مال فروخت کریں یا پھر کاروبار چھوڑ دیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب حضرت عمرؓ کو علم ہوا کہ ابن بلتعہؓ بازار کے بھاؤ سے زیادہ قیمت پر منقیٰ فروخت کر رہے ہیں تو آپ نے ان کو بلا کر کہا:

''یا تو سستا کر کے بیچو ورنہ بازار سے اپنا مال اٹھا لو۔''

اسی طرح گرانی کی وجہ اگر احتکار (۳۰) ہو تو اس صورت میں اسلامی ریاست کو پورا اختیار ہے کہ وہ اشیاء کے نرخ متعین کر دے اور تاجروں کو مقررہ قیمت پر اپنا مال فروخت کرنے پر مجبور کرے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو مناسب سزا دے۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مرغینانی نے لکھا ہے:

سلطان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ لوگوں کو متعین قیمتوں کا پابند بنائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیمت مقرر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی قیمت مقرر کرنے والا، تنگی پیدا کرنے والا فراخی پیدا کرنے والا، رزق عطا کرنے والا ہے۔ اور اس لیے کہ قیمت مقرر کرنا عقدِ بیع کرنے والے کا حق ہے لہذا اس کی تعیین وہی کر سکتا ہے۔ پس امام کو اس کے حق میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے بجز اس صورتِ حال کے جب ضررِ عامہ کا دفعیہ اس کا متقاضی ہو۔۔۔ اگر غلہ کے تاجر من مانی قیمتیں وصول

کرتے ہوں اور معقول قیمتوں سے زائد دام وصول کرتے ہوں اور قاضی نرخ مقرر کرنے کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ کرسکتا ہو تو ایسی صورت میں اہل الرائے اور صاحب بصیرت افراد کے مشورہ سے قیمتیں مقرر کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔(۳۱)

ابن عابدین کے بقول اگر اشیاءِ خورد ونوش (Food items) کے تاجر گراں فروشی میں حد سے گزر جائیں اور حاکمِ وقت کو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ نظر آئے تو حنفیہ نے حاکمِ وقت کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ وہ ان (بنیادی ضروری اشیاء) کی قیمتیں مقرر کرے، تاہم یہ کام اسے اہل الرائے اور ماہرینِ فن سے مشورہ کے بعد ہی کرنا چاہیے۔(۳۲) گراں فروشی میں تعدّی فاحش (صریح زیادتی جو قابلِ گرفت ہے) یہ ہے کہ دُگنی قیمت پر سامان بیچا جائے۔(۳۳)

ایسے ہی جب جہاد کے لیے ہتھیار ضرورت ہوں تو ہتھیار بنانے والوں پر لازم ہے کہ وہ انھیں قیمتِ مثل (۳۴) کے عوض بیچیں اور منہ مانگی قیمت طلب نہ کریں کہ مبادا دشمن تسلّط حاصل کرلے۔(۳۵)

ابنِ تیمیہ کے ہاں بوقت ضرورت اولی الامر، لوگوں کے پاس موجود چیزوں کو قیمتِ مثل کے مطابق فروخت کرنے پر مجبور کرسکتا ہے۔(۳۶)

ابنِ تیمیہ اور ابن القیم کے ہاں جب معاشرتی مصلحت قیمتوں کے تعیّن کے بغیر مکمل نہ ہو تو حاکم کو عادلانہ طریق پر قیمت مقرر کرنی چاہیے اور جب معاشرتی ضرورت پوری ہو جائے اور اس کے بغیر لوگوں کی مصلحت قائم ہو جائے تو سرکاری سطح پر قیمتیں مقرر نہیں کی جائیں گی۔(۳۷)

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ حاکمِ وقت مقررہ نرخ کی مخالفت کرنے والوں کو تعزیری سزا دے۔ اس تعزیر کی مقدار اور کیفیت کا تعیّن حاکم یا اس کا نائب کرے گا جو قید، جسمانی یا مالی سزا یا بازار بدر کرنا ہوسکتی ہے۔(۳۸)

اس بات میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں کہ غذائی اجناس میں ذخیرہ اندوزی حرام ہے اور یہ کہ ذخیرہ اندوزی کی سزا ذخیرہ شدہ سامان اس کے مالک کو معقول رقم دے کر جبراً خریدنا اور اس کو کوئی تعزیری سزا اور جرمانہ کرنا ہے۔(۳۹)

ابن القیم فرماتے ہیں:

جب تاجر کسی ایسے نرخ پر گٹھ جوڑ کرلیں (اجارہ داری قائم کرلیں) جس کی بناء پر وہ بہت زیادہ منافع حاصل کریں یا خریدار (بائع کو نقصان پہنچانے کے لئے) اس بات پر گٹھ جوڑ کرلیں کہ اس میں سے کوئی ایک ہی سارا مال خرید لے تو نرخ مقرر کرنا واجب ہے اور یہی ابنِ تیمیہ کا قول ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ ملازمین اپنی اُجرتیں بڑھانے کی خاطر گٹھ جوڑ کرلیں تاکہ لوگوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے منہ مانگی اُجرت وصول کریں۔ چنانچہ انھیں اس بات کا پابند

بنایا جائے گا کہ وہ حسبِ سابق ہی اپنی اُجرت لیں۔(۴۰) ایسے اُمور میں گٹھ جوڑ کرنا دراصل ظلم وزیادتی میں ایک دوسرے کی معاونت کرنا ہے۔(۴۱) جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾(۴۲)

''اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

مخصوص پیشوں سے متعلق افراد جن کی انسانی معاشروں کو انتہائی ضرورت ہوتی ہے، لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کے لیے مارکیٹ ریٹ سے زیادہ اُجرت کا مطالبہ کریں تو حاکمِ وقت کو چاہیئے کہ انہیں اُجرتِ مثل پر مجبور کرے تاکہ لوگوں کو ظلم سے بچایا جائے۔(۴۳)

عام لوگوں کو ضروری اشیاء کی مناسب نرخوں پر فراہمی اور ناجائز منافع خوری کی حوصلہ شکنی کے لیے ملکی قانون میں گنجائش موجود ہے۔ پرائس کنٹرول ایکٹ ۱۹۷۷ء کی رو سے:

Different prices may be fixed for different localities or for different classes pr categories of any essential commodities(44)

(مختلف علاقوں یا مختلف بنیادی اجناس کی انواع واقسام کو دیکھ کر مختلف قیمتیں مقرر کی جاسکتی ہیں۔)

نیز:

No person shall sell or re-sell any essential commodity at a price higher than the maximum price so fixed(45)

''کوئی شخص کسی ضروری شے کو قیمتِ مقررہ سے زائد پر فروخت نہیں کرسکتا۔''

ذخیرہ اندوزی یا احتکار لغت میں کھانے پینے کی اشیاء کو اس مقصد سے ذخیرہ کر کے رکھنے کو کہتے ہیں تاکہ ان کی قیمت چڑھ جائے۔(۴۶) احتکار شریعت کی رو سے حرام ہے۔

ذخیرہ اندوزی کی حرمت میں حکمت یہ ہے کہ عوام الناس کو ضرر سے بچایا جائے۔ اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے کسی ضرورت کی چیز کی ذخیرہ اندوزی کی جب کہ لوگ اس کے ضرورت مند تھے تو اسے اس چیز کی بیع پر مجبور کیا جائے گا تاکہ لوگوں کو ضرر سے بچایا جائے اور ان کی ضروریات کے حصول میں تعاون کیا جائے۔(۴۷)

اس کی تائید معمر بن عبداللہؓ کی روایت سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ذخیرہ اندوزی کرنے والا گناہگار ہے۔(۴۸)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک احتکار صرف غذائی اشیاء میں ممنوع ہے خواہ وہ انسانی غذاؤں سے متعلق ہو یا حیوانی غذاؤں سے۔(۴۹)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں: احتکار کی حرمت کے بارے میں راجح ترین قول یہ ہے کہ یہ ایسی چیز سے متعلق ہوتا ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے جیسے کھانے پینے کی اشیاء، ادویات، لباس، مدرسہ اور گھر کی چیزیں، گھر کا ساز و سامان وغیرہ نیز ہر وہ چیز جس کا روکے رکھنا لوگوں کو ضرر پہنچانے کا باعث بنے وہ احتکار ہے۔(۵۰)

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی احتکار ہر اس چیز میں ہے جو عام ضروریاتِ انسانی سے متعلق ہو۔ امام احمد کا ایک یہ قول بھی ہے:

"لیس الاحتکار الافی الطعام خاصة لانه قوت الناس"(۵۱)

"احتکار صرف انسانوں کی اشیاءِ خوردنی میں ہوتا ہے۔"

ان اقوال میں امام ابو یوسفؒ کا نقطۂ نظر حرمتِ احتکار کے شرعی مقاصد سے قریب تر ہے۔

شریعت اسلامیہ میں حرمتِ احتکار کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ:

۱۔ دولت فردِ واحد یا چند مخصوص افراد کے ہاتھوں میں جمع نہ ہو۔

۲۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کو بے جا معاشی تکلیف نہ ہو۔

اگر احتکار کو صرف اشیاءِ خوردنی تک محدود کر دیا جائے تو عصر حاضر میں بہت سی ایسی اشیاء ہیں جن کا تعلق اگرچہ خورد و نوش سے نہیں لیکن وہ حیاتِ انسانی کی بنیادی ضروریات میں شامل ہیں مثلاً کھاد، سیمنٹ، پٹرول وغیرہ۔ چنانچہ ان اور ایسی تمام دیگر اشیاء کی ذخیرہ اندوزی جب لوگوں کے لیے باعثِ ضرر ہو تو جائز نہیں۔

احتکار کی ایک شرط یہ ہے کہ محتکر کی نیت یہ ہو کہ اس چیز کی مصنوعی قلت پیدا کر کے اس کی قیمت بڑھائی جائے البتہ اگر کسی شخص نے عام حالات میں کسی چیز کو بڑی مقدار میں خریدا تا کہ اُسے نفع کے ساتھ فروخت کرے لیکن اتفاق سے اس شئے کی قیمت قدرتی عوامل سے بڑھ گئی تو بڑھی ہوئی قیمت پر اس چیز کو فروخت کرنا شرعاً احتکار نہیں کہلائے گا۔ البتہ اگر اس مال کو لوگوں کی ضرورت کے وقت فروخت نہ کرے تو شرعاً یہ احتکار ہے۔(۵۲)

احتکار سے متعلق ایک شرط یہ بھی ہے کہ احتکار طویل مدت کے لیے ہو۔ صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

"وقیل بالشهر لأن ما دونه قلیل عاجل والشهر وما فوقه کثیر آجل"(۵۳)

"فقہاء کی ایک رائے کے مطابق نزدیک ایک ماہ تک کی مدّت قلیل اور ایک ماہ سے زیادہ کی مدّت طویل سمجھی جاتی ہے۔"(۵۴)

عصرِ حاضر میں بعض اوقات چند کمپنیاں یا کاروباری حضرات مل کر ایک وحدت قائم کر لیتی ہیں۔ اور یوں کسی شے یا خدمت کی پیداوار اور اس کی قیمت پر اجارہ داری (Monopoly) قائم کر لیتی ہیں۔ اور اس کی قیمت کا تعین اپنی مرضی

سے کرتی ہیں اور یوں خریداروں کا استحصال کرتی ہیں۔ یہ بھی احتکار کے زمرے میں داخل ہے۔

محتکرین کے لیے احادیث میں مختلف وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی مسلمانوں کے لیے قیمتیں بڑھانے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرے وہ خطا کار ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔''(۵۵)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ''ذخیرہ اندوز لعنتی ہے۔''(۵۶)

فقہاء اسلام نے محتکر کے لیے درج ذیل تعزیری اقدامات تجویز کیے ہیں:

۱۔ محتکر کو قید کی سزا کے علاوہ مالی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

۲۔ قاضی محتکر کا مال اس کی رضامندی کے بغیر بازار کے نرخ پر فروخت کرنے کا مجاز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

جب محتکر کا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ محتکر کو حکم دے گا کہ وہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی غذائی ضروریات سے جو کچھ فاضل بچے اس کو فروخت کر دے۔ اگر محتکر تاجر کو دوبارہ اسی جرم میں قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اسے قید کر کے مناسب مالی سزا دے سکتا ہے تا کہ عوام کی ضرررسانی ختم ہو۔(۵۷)

ملکی قانون میں اشیاء ضروریہ کی ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے خلاف The Hording and Black Market Order, 1956 کے تحت چھ ماہ سے لے کر سات سال تک قید اور جرمانے کی سزا رکھی گئی ہے۔

جانوروں سے سلوک میں حق کا سوءِ استعمال:

قرآن نے حیوانات کی تکریم، ان کا مقام، ان کے کام اور انسان کی ان سے متعلق ذمہ داریاں مقرر کی ہیں جن کی طرف سورہ النحل میں اشارہ ہے:

﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾(۵۸)

''اور اُسی نے تمہارے لیے چوپائے پیدا فرمائے، ان میں تمہارے لیے گرم لباس ہے اور (دوسرے) فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی) ہو۔ اور ان میں تمہارے لیے رونق (اور دل کشی بھی) ہے جب تم شام کو چراگاہ سے (واپس) لاتے ہو اور جب تم صبح کو (چرانے کے لیے) لے جاتے ہو۔ اور یہ (جانور) تمہارے بوجھ (بھی) ان شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر جانکاہ مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے، بیشک تمہارا رب نہایت شفقت والا نہایت مہربان ہے۔ اور (اُسی

نے) گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو (پیدا کیا) تا کہ تم ان پر سواری کرسکو اور وہ (تمہارے لیے) باعثِ زینت بھی ہوں، اور وہ (مزید ایسی باز ینت سواریوں کو بھی) پیدا فرمائے گا جنہیں تم (آج) نہیں جانتے۔''

اسی طرح ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم﴾(۵۹)

''اور کوئی بھی چلنے پھرنے والا (جانور) اور پرندہ جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہو (ایسا) نہیں ہے مگر یہ کہ (بہت سی صفات میں) وہ سب تمہارے ہی مماثل طبقات ہیں۔''

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ﴾(۶۰)

''لوگوں کے لیے ان خواہشات کی محبت آراستہ کر دی گئی ہے (جن میں) عورتیں، اولاد، سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)، یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے، اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانا ہے۔''

ان آیات میں حیوان پر رحمت وشفقت کی تاکید اور اس کو تکلیف دینے اور بلاضرورت اس کے قتل کی ممانعت کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ آیاتِ مذکورہ میں حیوان کو ایک محترم اور محبوب چیز قرار دیا گیا ہے۔ نہ کہ ایک ذلیل اور حقیر مخلوق۔

شریعتِ اسلامی نے زندہ جانوروں کی ایذاء رسانی سے ممانعت کی ہے۔ اس کی حرمت سے متعلق کئی نصوص ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک جماعت کے پاس سے گذرے جنہوں نے مرغی کو باندھ رکھا تھا اور اس پر تیراندازی کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھ کر وہ لوگ ادھر ادھر ہو گئے۔ آپؓ نے فرمایا جس نے ایسا فعل کیا ہے اس پر نبی ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔ (۶۱) (لعنت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حرام بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔) نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''لَا تَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا''(۶۲)

''کسی ذی روح جاندار پر نشانہ بازی نہ کرو۔''

زندہ جانوروں کو اذیّت دینے کی حرمت اس عورت کے قصہ سے بھی معلوم ہوتی ہے جس نے بلّی کو بند کر رکھا تھا اور وہ کچھ کھا پی نہ سکنے کی بنا پر مر گئی اور اس کے باعث اس عورت کا جہنم میں جانا پڑا۔ (۶۳)

اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو جانوروں سے نفع اٹھانے میں اپنے حق کے استعمال کا اختیار دیا ہے، وہاں اسے جائز

طریقے سے مشروط کیا ہے۔ حیوان سے متمتع ہونے میں تعسف کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ذیل میں اس کی چند صورتیں پیش کی جاتی ہیں:

الف۔ حقِ ذبح استعمال کا سوءِ استعمال:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے حلال جانوروں کے گوشت کھانے کے لیے انھیں ذبح کرنے کا حق دیا ہے۔ ذبح کا عمل اگرچہ حیوان کے لیے تکلیف دِہ ہوتا ہے لیکن اس بناء پر حلال ہے کہ اس کے ساتھ انسان کے بہت سے مصالح وابستہ ہوتے ہیں۔ شریعت نے جانور کو ذبح کرنے میں نرمی اور خوش اسلوبی کا حکم دیا ہے خود نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ"(۶۴)

''جب تم ذبح کرنے لگو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، چھری کی دھار تیز رکھو اور جانور کو آرام سے لٹاؤ۔''

فقہاء نے حلال جانوروں کو ذبح کرنے کے آداب بیان کیے ہیں۔ ان آداب میں سے ایک یہ ہے کہ ذبح کرنے والا شخص جانور کے سامنے چھری کی دھار تیز نہ کرے اور نہ اسے سختی سے گرائے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص بکری کو لٹا کر چھری کی دھار تیز کر رہا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

"أَتُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ، هَلا حَدَدْتَ شَفْرَتَكَ قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا"(۶۵)

''تم اسے کئی موتیں دینا چاہتے ہو؟ تم نے اسے لٹانے سے قبل چھری تیز کیوں نہ کر لی؟''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ رَحِمَ، وَلَوْ ذَبِيحَةَ عُصْفُورٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"(۶۶)

''جس نے رحم کیا، چاہے چڑیا ذبح کرنے میں ہی ہو، قیامت کو اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں گے۔''

ب۔ حقِ قتل کا سوءِ استعمال:

اسلام نے جہاں موذی جانوروں مثلاً پاگل کتے، سانپ اور خرابی پھیلانے والے چوہے وغیرہ کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے وہاں انھیں مناسب طریقے (نرمی) سے قتل کا حکم دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اللہ نے ہر چیز میں تمہارے لیے احسان کو فرض قرار دیا ہے۔ پس جب تم قتل بھی کرنے لگو تو نرمی اور خوش اسلوبی سے قتل کرو۔(۶۷)

ج۔ سواری کے حق کا سوءِ استعمال:

اللہ نے حیوان کو انسان کی سواری اور بار برداری کے لیے مسخر کیا ہے لیکن یہ حق مطلق نہیں بلکہ شریعتِ اسلامی نے اس کے لیے ایسی حدود مقرر کی ہیں جو حیوان کے ساتھ نرمی، احسان اور اس کے حقوق کی رعایت پر مبنی ہیں، مثال کے طور پر:

☆ جب آدمی لمبے سفر پر نکلے تو جانور کو چرنے اور آرام کرنے کا موقع دیا جائے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ" (۶۸)

"جب تم کسی ذرخیز زمین میں سفر کرو تو اونٹ (سواری) کو زمین سے اس کا حصہ (گھاس، پانی) لینے دیا کرو۔"

امام نووی اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اس حدیث کا منشاء جانوروں کے ساتھ نرمی کرنا اور ان کی مصلحتوں کا لحاظ رکھنا ہے۔ (۶۹)

☆ سواری کے جانور کا حق ہے کہ اس پر بیک وقت دو سے زائد آدمی سوار نہ ہوں اس لیے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

"ولا یرکب الدابة فوق اثنین" (۷۰)

"سواری کے جانور پر دو سے زیادہ لوگ سوار نہ ہوں۔"

ابن حجر فرماتے ہیں:

فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر جانور طاقتور نہ ہو تو تیسرے آدمی کے سوار ہونے کی اجازت نہیں لیکن اگر جانور طاقتور ہو تو تیسرے آدمی کی سواری جائز ہے۔ (۷۱)

☆ شریعتِ اسلامی میں یہ بات جائز نہیں کہ آدمی سواری پر بلا وجہ جم کر بیٹھا رہے جس سے اسے تکلیف ہوتی ہو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

تم اپنی سواریوں کی پیٹھوں کو منبر نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے لیے اس مقصد کے تحت مسخر کیا ہے کہ وہ تمہیں ان مقامات تک پہنچائیں جہاں تم بغیر مشقت نہیں پہنچ سکتے۔ (۷۲)

حضرت سہل بن حنظلیہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ایسے اونٹ کے پاس سے گزرے جس کی پیٹھ اس کے پیٹ سے ملی ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا کہ ان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان پر اچھے طریقے سے سواری کرو۔ (۷۳)

ماحولیاتی فساد:

عصرِ حاضر کے انسان کو درپیش سنگین مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ماحولیاتی بحران کا ہے۔ دنیا بھر کے سائنسدان، مفکرین اور دانشور ماحولیاتی بحران کے اسباب و محرکات کی تلاش و تحقیق کے ساتھ ساتھ اس اجتماعی خطرے سے نمٹنے کے لئے متفکر و کوشاں ہیں۔ ماحولیاتی بحران کا تجزیہ کرتے ہوئے مختلف مفکرین نے اس کا ذمہ دار جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کو قرار دیا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی اگرچہ بذاتِ خود خدائی عطیہ ہیں جن کے ذریعے کائناتی قوتوں کی تسخیر اور ان سے استفادہ ممکن ہوا ہے مگر جدید سائنس کی نشو و نما چونکہ مغرب میں الحاد و دہریت کے زیرِ اثر ہوئی ہے، اس لئے وہ کسی ایسے

نظامِ اقدار سے عاری ہے جس کا بنیادی ہدف روحانی ارتقاء ہو۔ الحاد پر مبنی اس سائنسی فکر میں انسان کا منتہائے مقصود تن آسانی، تن پروری، لذت طلبی اور حیوانی جذبات کی تکمیل کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ نتیجتاً انسان من حیث الکل ترقی سے محروم ہوا جس کے تباہ کن نتائج آج ساری دنیا بھگت رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک متوازن اور متناسب کائنات کی تخلیق کے بعد انسان کو پیدا کیا اور اسے اشرف المخلوقات قرار دے کر زمین میں اسے خلافت و نیابت کا منصب عطا کیا،(۷۴) اس منصبِ جلیل پر فائز کر کے اسے علم الاسماء کی تعلیم دی۔(۷۵) تاکہ وہ فطرت کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس سے استفادہ کر سکے۔

اسلامی فکر کی رو سے فطرت ایک ایسی ریاست ہے جس کا حقیقی مالک اور حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور یہ ریاست انسان کو بطور امانت عطا ہوئی ہے۔ انسان اس کائنات کا مرکز و محور ہونے کے باوجود کائنات کے حاکمِ اعلیٰ کا ماتحت ہے جسے فطرت کے محافظ، نگران اور منتظم کی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام کا دیا گیا خلافت و امانت کا یہ تصور ماحولیاتی اخلاقیات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

قرآن نے انسانی فطرت کے بعض منفی پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انسان ان کمزوریوں پر الٰہی تعلیمات کی روشنی میں قابو نہ پا کر اپنے حقِ خلافت کا ناروا استعمال کر سکتا ہے جس کا ایک نتیجہ ماحولیاتی آلودگی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ قرآن کی رو سے انسانی فطرت کی کمزوری یہ ہے کہ وہ بے انصاف اور نادان ہے،(۷۶) انتہائی ناشکرا ہے،(۷۷) جلد باز ہے،(۷۸) وہ حدود سے تجاوز کرنے والا ہے،(۷۹) وہ بے صبرا اور بخیل ہے۔(۸۰) چنانچہ انہی منفی پہلوؤں کے زیرِ اثر وہ فطرت سے برتاؤ کرنے میں تخریب پسند، لالچی اور ناعاقبت اندیش واقع ہوا ہے۔ اسلام انسانی شخصیت کے ان منفی پہلوؤں کی اصلاح، اخلاقی اصولوں اور عقائد کے ذریعے کرتا ہے۔

اسلام کی نظر میں خلافت و امانت کی ذمہ داریوں کے سوء استعمال ہی کے نتیجہ میں ماحولیاتی فساد کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام ماحولیاتی تباہی کا ذمہ دار انسان ہی ہے قرآن حکیم میں ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾(۸۱)

”خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں“

عصرِ حاضر کے تناظر میں فساد کی تشریح ماحول کی آلودگی اور تباہی سے بھی کی جاسکتی ہے اسی طرح قرآنی آیت:

﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾(۸۲)

''اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

خدا کی طرف سے انسانوں کے لئے ایک تنبیہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ پاکیزہ فطری ماحول کو فساد اور تباہی سے بچائیں۔

نیز ایک جگہ کہا گیا:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(۸۳)

''تو اس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے صریح دھواں نکلے گا۔ جو لوگوں پر چھا جائے گا یہ درد دینے والا عذاب ہے۔''

مفسرین نے اس آیت کو اگر چہ قیامت کے تناظر میں ذکر کیا ہے مگر یہ آیت موجودہ آلودگی کی صورتحال کے متعلق پیشینگوئی بھی ہو سکتی ہے جو امکانی طور پر قیامت کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

ماحولیاتی تباہی کا ایک اہم سبب قدرتی وسائل کا سوءِ استعمال ہے جس نے فطرت میں موجود توازن کو متاثر کیا ہے۔ قرآن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ زمین اور اس میں موجود اشیاء اگر چہ انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ وہ انہیں مسخر کرے اور ان سے فائدہ اٹھائے، (۸۴) مگر باوجود مالکِ حقیقی کے عطا کردہ اس حقِ تسخیر اور حقِ تصرّف کے یہ کائنات کی قوتوں سے استفادہ اور ان کے استعمال کے مادہ پرستانہ تصور سے قطعی مختلف جسے وحی نہیں بلکہ عقل متعین کرتی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق انسان کو ان اشیاء پر اختیار اور ان کے استعمال و استفادہ کی اجازت ان کے حسنِ استعمال کی شرط کے ساتھ دی گئی ہے کہ وہ انہیں خدائی قوانین کے مطابق اور صحیح طریقے سے تصرّف میں لائیں۔

اہم قدرتی وسائل میں پانی، ہوا، زمین، جنگلات، جنگلی و آبی حیات خاص طور پر داخل ہیں جن کے تحفظ و بقاء کے لیے اسلام نے خصوصی ہدایات دی ہیں جن کی روشنی میں موجودہ ماحولیاتی بحران اور اس سے متعلقہ مسائل پر قابو پانا ممکن ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اسلامی تصورِ کائنات کی رو سے حقیقی ملکیت کا حق صرف ذاتِ باری تعالی کو حاصل ہے جو اس کائنات کا خالق و مالک اور رازق و حاکم ہے۔ جب کہ انسان جو حاصل شدہ حقِ ملکیتِ مجازی معنوں میں ہے اور وہ اپنے جملہ تصرفات میں مالکِ حقیقی کی ہدایت کا پابند ہے چنانچہ انسان اپنی زیرِ ملکیت اور زیرِ قبضہ اشیاء میں سوء تصرف کا مجاز نہیں ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ القرافی، أحمد بن إدریس :الفروق، تحقیق :خلیل المنصور، 1/141، فرق22، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، 1418ھ/1998م ۲۔ الفرقان:67 ۳۔ الإسراء: 29

۴۔ القرطبی، أبوعبد اللہ، محمد بن أحمد :الجامع لأحکام القرآن، 10/251، دار إحیاء التراث العربی بیروت، لبنان، الطبعة :الثانیة، 1405ھ/1985م

۵۔ ترمذی، ابو عیسی، محمد بن عیسی :سنن الترمذی، حدیث نمبر 3608، 12/134، کِتَاب الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَاب فِي مَنَاقِبِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كِلَيْهِمَا، دار الدعوة استنبول، 1401ھ

۶۔ القرطبی أبوعبد اللہ، محمد بن أحمد :الجامع لأحکام القرآن، 10/251؛ ابن عابدین محمد امین الشہیر :حاشیة رد المحتار علی الدر المختار، 2/71؛ دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، 1415ھ/1995م؛ ابن قدامة، عبد اللّٰہ بن أحمد، المقدسی :المغنی، 3/82، 83؛ مکتبة القاہرة، 1388ھ/1968م؛ ابن العربی، محمد بن عبد اللہ الأندلسی :أحکام القرآن، 3/1193، دار الکتب العلمیة، بیروت، س۔ن ۷۔ الأنعام:141

۸۔ القرطبی أبوعبد اللہ، محمد بن أحمد، الجامع لأحکام القرآن، 7/110؛ ابن قدامة، عبد اللّٰہ بن أحمد، المقدسی، المغنی، 2/706

۹۔ ابن الہمام، محمد بن عبد الواحد، السیواسی :فتح القدیر، 1/20؛ دار الفکر، بیروت، س۔ن الرازی، فخر الدین، محمد بن عمر :تفسیر مفاتیح الغیب، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة :الأولی، 1421ھ/2000م؛ البہوتی، منصور بن یونس :کشاف القناع عن متن الإقناع، تحقیق :ہلال مصیلحی مصطفیٰ ہلال، 1/106، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1402ھ

۱۰۔ ابن قدامة، عبد اللّٰہ بن أحمد، المقدسی :المغنی، 1/139

۱۱۔ الدسوقی، محمد عرفہ :حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر، تحقیق :محمد علیش، 1/101، دار الفکر، بیروت، لبنان، س۔ن

۱۲۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی :سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 419، 2/16، كِتَاب الطَّهَارَةِ وَسُنَنِهَا، بَاب مَا جَاءَ فِي الْقَصْدِ فِي الْوُضُوءِ وَكَرَاهَةِ التَّعَدِّي فِيهِ، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب، الطبعة :الثانیة، 1406ھ/1986م

۱۳۔ الجصاص، ابوبکر، أحمد بن علی :احکام القرآن، المحقق :عبد السلام محمد علی شاہین، 1/161، دار الکتب العلمیة بیروت، لبنان، الطبعة: الأولی، 1415ھ/1994م

۱۴۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری :صحیح مسلم، حدیث نمبر 4823، 13/154، كِتَاب الْعِلْمِ، بَاب هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، دار السلام الریاض، 2002م؛ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السجستانی :سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 3992، 12/212، كِتَاب السُّنَّةِ، بَاب فِي لُزُومِ السُّنَّةِ، دار احیاء التراث العربی، بیروت س ن

۱۵۔ حدیث :جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا فَقَالُوا وَأَيْنَ نَحْنُ مِنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَحَدُهُمْ أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ آخَرُ أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ وَقَالَ آخَرُ أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ (البخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل :صحیح البخاری، حدیث نمبر4675، 15/493، كِتَاب النِّكَاحِ، بَاب التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ)

۱۶۔ الشوکانی :محمد بن علی بن محمد :نیل الأوطار، 6/230، مکتبة البابی الحلبی، القاہرة، س۔ن

۱۷۔ حدیث :دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ قُلْتُ بَلَى قَالَ فَلَا تَفْعَلْ قُمْ وَنَمْ وَصُمْ وَأَفْطِرْ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّكَ عَسَى أَنْ يَطُولَ بِكَ عُمُرٌ وَإِنَّ مِنْ حَسْبِكَ أَنْ تَصُومَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ (البخاری، ابو عبدالله، محمد بن اسماعیل :صحیح البخاری، حدیث نمبر5669، 19/100، كِتَاب الْأَدَبِ، بَاب حَقِّ الضَّيْفِ)

۱۸۔ ایک پیمانہ

۱۹۔ القرطبی أبوعبدالله محمد بن أحمد :الجامع لأحکام القرآن 7/110؛ الرازی فخر الدین محمد بن عمر تفسیر مفاتیح الغیب، 20/193

۲۰۔ وہبۃ الزحیلی :الفقہ الإسلامی وأدلتہ 4/485، دار الفکر، سوریّۃ، دمشق س۔ن

۲۱۔ التوبۃ:34 ۲۲۔ آل عمران 180

۲۳۔ بنی اسرائیل 29 ۲۴۔ الحشر 9

۲۵۔ الطبرانی، ابوالقاسم، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، حدیث نمبر16280، 19/278، بَابُ مَنِ اسْمُهُ مالک بن نضلۃ الجشمی، مکتبۃ العلوم والحکم الموصل، الطبعۃ الثانیۃ 1404ھ/1983م

۲۶۔ اولی الامر وہ ہوتا ہے جس کے پاس احکامات دینے کا حق ہوتا ہے اور جب وہ حکم دیتا ہے تو اس کی فرمانبرداری واجب ہوتی ہے۔ (د محمد رواقلعۃ جی ود۔ حامد صادق قنیبی : معجم لغۃ الفقہاء، 1/97)

۲۷۔ الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، سنن الترمذی، حدیث نمبر 1235، 5/141، كِتَاب الْبُيُوعِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَاب مَا جَاءَ فِي التَّسْعِيرِ ۲۸۔ ابن الجوزی :سیرۃ عمر بن خطاب 154

۲۹۔ ابن القیم محمد بن أبی بکر، الجوزیۃ، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، المحقق، نایف بن أحمد الحمد 2/34، مجمع الفقہ الإسلامی، جدۃ 1428ھ

۳۰۔ احتکار اس مقصد کے لیے کھانے پینے کی اشیاء کو روکے رکھنے کو کہتے ہیں تاکہ بعد میں اس کو مہنگے داموں فروخت کیا جائے۔ (الجرجانی، علی بن محمد :التعریفات، تحقیق :إبراہیم الأبیاری 1/26، دار الکتاب العربی بیروت، الطبعۃ الأولی 1405)

۳۱۔ المرغینانی، علی بن ابی بکر، الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، المحقق، طلال یوسف، کتاب الکراہیۃ، 470-4/469، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۳۲۔ ابن عابدین، محمد امین، حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار، 5/256؛ الزیلعی، عثمان بن علی، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق 6/28، دار الکتاب الإسلامی، القاہرۃ 1313ھ؛ لمرغینانی، علی بن ابی بکر :الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، 4/93

۳۳۔ الزیلعی، عثمان بن علی : تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق 6/28؛ ابن عابدین محمد امین : حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار 5/256؛ وزارۃ الأوقاف والشئون الإسلامیۃ، الکویت، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، 11/305، دار السلاسل، الکویت، الطبعۃ :الثانیۃ، 1404ھ 1427ھ

۳۴۔ قیمتِ مثل (مارکیٹ ریٹ)

۳۵۔ المرغینانی، علی بن ابی بکر :الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، 4/93؛ ابن تیمیۃ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم :الحسبۃ فی الإسلام، 27، 28، 41، دار الکتب العلمیۃ الطبعۃ :الأولی س۔ن؛ ابن القیم محمد بن أبی بکر، الجوزیۃ :الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ 253، 262، 263

۳۶۔ ابن تیمیۃ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، الحسبۃ فی الإسلام، 17، 41؛ ابن القیم محمد بن أبی بکر، الجوزیۃ، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ 262

۳۷۔ ابن تیمیۃ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، الحسبۃ فی الإسلام، 44، 45؛ ابن القیم محمد بن أبی بکر، الجوزیۃ، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ 264

۳۸۔ ابن جزی محمد بن أحمد، القوانین الفقہیۃ، تحقیق، عبداللطیف المنشاوی 260، دار الحدیث 2005م

۳۹۔ ابن مودود، عبد الله بن محمود، الموصلی، الاختیار لتعلیل المختار، تحقیق، عبد اللطیف محمد عبد الرحمن 4/161، دار الکتب العلمیۃ، بیروت،

الطبعۃ، الثالثۃ1426ھ/2005م الزرقانی، محمد بن عبدالباقی: شرح موطأ الإمام مالک، 5/4، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1411ھ
البہوتی، منصور بن یونس: کشاف القناع عن متن الإقناع، 2/36

۴۰۔ ابن القیم، محمد بن أبی بکر، الجوزیۃ، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، 245؛ ابن تیمیۃ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، الحسبۃ فی الإسلام، 18، 19

۴۱۔ ابن القیم، محمد بن أبی بکر، الجوزیۃ، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، 247

۴۲۔ المائدۃ: 2 ۴۳۔ ابن القیم، محمد بن أبی بکر، الجوزیۃ: الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، 247

44. Local and Special Laws: 455 45. Local and Special Laws: 455

۴۶۔ الفیومی، أحمد بن محمد: المصباح المنیر، 1/78، واللسان مادۃ (حکر)، المکتبۃ العصریۃ، س۔ن
مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی احتکار کی تعریف یوں کرتے ہیں۔
کوئی شخص (غلہ) وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اس لیے خریدے کہ بازار گراں ہو جائے اور پبلک میں اس چیز کی مانگ کا (مرکز) صرف وہی بن جائے اور پبلک اس کے مقررہ نرخ پر مجبور ہو جائے اور وہ من مانی گراں فروشی کرے۔ (سیوہاروی، حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام، طبع چہارم، ص262 ادارہ اسلامیات لاہور، 1951ء)

۴۷۔ الحطاب الرُعینی، شمس الدین، محمد بن محمد: مواہب الجلیل، مواہب الجلیل، 4/228، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1398ھ

٤٨۔ حدیث: مَنْ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِءٌ، مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری: صحیح مسلم، حدیث نمبر3012، 8/312، كِتَاب الْمُسَاقَاةِ، بَاب تَحْرِيمِ الِاحْتِكَارِ فِي الْأَقْوَاتِ

۴۹۔ المرغینانی، برہان الدین: ہدایۃ، 4/468

۵۰۔ ابو یوسف، الامام، یعقوب بن إبراہیم، الخراج، تحقیق: طہ عبدالرءوف سعد، سعد حسن محمد المکتبۃ الأزہریۃ للتراث، س۔ن

۵۱۔ الشوکانی: نیل الأوطار، 5/235 ۵۲۔ المرغینانی، برہان الدین: ہدایۃ، 4/469

۵۳۔ المرغینانی، برہان الدین: ہدایۃ، 4/93 ۵۴۔ تاہم طویل وقلیل مدت کے تعین میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔

۵۵۔ الحاکم، محمد بن عبداللہ، النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق، مصطفیٰ عبدالقادر عطا، حدیث نمبر2166، 4/114، کتاب البیوع، دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ: الأولی، 1411ھ/1990م

۵٦۔ الحاکم: المستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر2164، 4/113، کتاب البیوع

۵۷۔ المرغینانی، برہان الدین: ہدایۃ، کتاب الکراہیۃ 4/469-470

۵۸۔ النحل: 8-5 ۵۹۔ الأنعام: 38 ٦۰۔ آل عمران: 14

٦١۔ حدیث: عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَمَرُّوا بِفِتْيَةٍ أَوْ بِنَفَرٍ نَصَبُوا دَجَاجَةً يَرْمُونَهَا فَلَمَّا رَأَوْا ابْنَ عُمَرَ تَفَرَّقُوا عَنْهَا وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ مَنْ فَعَلَ هَذَا إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنْ فَعَلَ هَذَا، (البخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل: صحیح البخاری، حدیث نمبر 5515، 14/52، كِتَاب الذَّبَائِحِ وَالصَّيْدِ، بَاب مَا يُكْرَهُ مِنْ الْمُثْلَةِ وَالْمَصْبُورَةِ وَالْمُجَثَّمَةِ)؛ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری: صحیح مسلم، حدیث نمبر3618، 10/126، كِتَاب الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ وَمَا يُؤْكَلُ مِنْ الْحَيَوَانِ، بَاب النَّهْيِ عَنْ صَبْرِ الْبَهَائِمِ

٦٢۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری: صحیح مسلم، حدیث نمبر3617، 10/126، كِتَاب الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ وَمَا يُؤْكَلُ مِنْ الْحَيَوَانِ، بَاب النَّهْيِ عَنْ صَبْرِ الْبَهَائِمِ

٦٣۔ حدیث: عُذِّبَتْ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، (البخاری، ابو عبداللہ، محمد بن

اسماعیل :صحیح البخاری، حدیث نمبر2365، 6/101، كِتَاب الْمُسَاقَاةِ، بَاب فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ)

۶۴۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری :صحیح مسلم، حدیث نمبر3615، 10/122، كِتَاب الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ وَمَا يُؤْكَلُ مِنْ الْحَيَوَانِ، بَاب الْأَمْرِ بِإِحْسَانِ الذَّبْحِ وَالْقَتْلِ وَتَحْدِيدِ الشَّفْرَةِ

۶۵۔ الحاکم، محمد بن عبدالله، النیسابوری :المستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر7563، 4/257، كتاب الأضاحی

۶۶۔ الطبرانی، ابو القاسم، سلیمان بن احمد:المعجم الکبیر، حدیث نمبر7840، 7/268، بَابُ مَنِ اسْمُهُ خَالِدٌ

۶۷۔ حدیث :إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ (مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری :صحیح مسلم، حدیث نمبر3615، 10/122، كِتَاب الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ وَمَا يُؤْكَلُ مِنْ الْحَيَوَانِ، بَاب الْأَمْرِ بِإِحْسَانِ الذَّبْحِ وَالْقَتْلِ وَتَحْدِيدِ الشَّفْرَةِ)

۶۸۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، صحیح مسلم، حدیث نمبر 3552، 10/45، كِتَاب الْإِمَارَةِ، بَاب مُرَاعَاةِ مَصْلَحَةِ الدَّوَابِّ فِي السَّيْرِ وَالنَّهْيِ عَنْ التَّعْرِيسِ فِي الطَّرِيقِ

۶۹۔ النووی، محی الدین بن شرف، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، 13/69، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ 1392ھ

۷۰۔ الطبرانی، ابو القاسم، سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط، حدیث نمبر4852، 5/121، باب من اسمہ عبدالوارث، دار الحرمین، القاہرۃ 1415ھ

۷۱۔ ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، فتح الباری 520/12، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت، لبنان الطبعۃ الثانیۃ س۔ن

۷۲۔ حدیث :إِيَّاكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا ظُهُورَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ فَإِنَّ اللَّهَ إِنَّمَا سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُبَلِّغَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ، (ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی :سنن ابی داؤد، حدیث نمبر2204، 7/123، كِتَاب الْجِهَادِ، بَاب فِي النِّدَاءِ عِنْدَ النَّفِيرِ يَا خَيْلَ اللَّهِ ارْكَبِي)

۷۳۔ حدیث :مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ فَقَالَ اتَّقُوا اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً وَكُلُوهَا صَالِحَةً، (ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2185، 7/90، كِتَاب الْجِهَادِ ، بَاب مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنْ الْقِيَامِ عَلَى الدَّوَابِّ وَالْبَهَائِمِ)

۷۴۔ ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ البقرۃ:30
(اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔)

۷۵۔ ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ البقرۃ:31 (اور اس نے آدم کو (سب چیزوں کے) نام سکھائے۔)

۷۶۔ ﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ الاحزاب:72 (بے شک انسان ظالم اور جاہل تھا۔)

۷۷۔ ﴿إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ﴾ الحج:66 (اور انسان تو بڑا ناشکرا ہے۔)

۷۸۔ ﴿وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا﴾ الاسراء:11 (اور انسان جلد باز (پیدا ہوا) ہے۔)

۷۹۔ ﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَى﴾ العلق: 6 (مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے۔)

۸۰۔ ﴿إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا﴾ المعارج: 20-19

۸۱۔ الروم:41 ۸۲۔ الاعراف: 85

۸۳۔ الدخان:11-10 ۸۴۔ ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ البقرۃ:29
(وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیں۔)